(تصوف، مذہب اور دین اسلام (تیسری قسط

ندرت کار

! پچھلی پوسٹ کے آخر میں ہم نے پڑھا

وہ اس ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ باطنیت (تصوف) کا تجربہ، ایک منفی خصوصیت کا حامل ہوتا ہے، جسے یہ تجربہ حاصل ہو جائے بات کا اعتراف کر لیتا ہے کہ ۔۔۔۔ میں بیان ہی نہیں کر سکتا کہ میں نے کیا، محسوس کیا ہے؟

وہ ہر پوچھنے والے سے بس، یہی کہتا ہے کہ

ذوق این بادہ ندانی بخدا تا نچشی

مطلب !

میں نے جو مزہ محسوس کیا ہے اسے الفاظ کی صورت میں بیان کر ہی نہیں سکتا۔۔۔

سو، جس کیفیت کو بیان نہیں کیا جا سکتا، تو دوسرے فرد تک، اسے منتقل بھی نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا باطنی تجربہ اگر کوئی صداقت رکھتا ہے تو یہ صداقت، صرف صاحبِ تجربہ کے کام آسکتی ہے۔۔۔۔ کسی اور کیلیئے اسے صداقت، قرار دیا ہی نہیں دیا جا سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسلیئے، دوسرے لوگوں پر اسکی کوئی پابندی نہیں کہ وہ، اس صداقت کو تسلیم کر لیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ خالص جذباتی احساسات کا نام ہے اور جذبات۔۔۔۔۔۔ یکسر، ذاتی اور گونگے ہوتے ہیں ۔

جو کچھ ایک شخص محسوس کرتا ہے، وہ اسکا احساس، کسی دوسرے میں پیدا کر ہی نہی سکتا، تا وقتیکہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ، دوسرا شخص خود ہی محسوس نہ کرے۔

اب اسی سلسلہ کو مزید آگے بڑھاتے ہیں،

ان لوگوں کے خوابوں اور پیغاموں میں، نا قابلِ یقین کی حد تک۔ مبالغہ آرائی ہوتی ہے۔ ان کے عالمِ وجد، و مستی کے بیانات میں سے انکے اعمال و سیرت کے لیٔے، کسی بنی نوع انسان کیلیئے نفع کا مؤجب نہیں ہوتے، لہٰذا انہیں خدائی پیغامات وغیرہ کہنا تو ایک طرف، یہ تو اس قابل بھی نہیں ہوتے کہ انہیں، کوئی اہمیت بھی دیجائے۔

ویسے بھی باطنیت (تصوف) کا فن، ایک انفرادی شے ہے، اور اسکے نتائج و متبائن۔۔۔۔ایسے نہیں ہوتے کہ انہیں، "عالمگیر

سند" Absolute and Permanent value دی جاسکے۔

حقیقت یہ ہے کہ تصوف کا مدار، رہبانیت پر ہے، رہبانیت کا مطلب یہ نہیں کہ انسان بالضرور، شہروں اور بستیوں کو چھوڑ کر، جنگلوں اور ویرانوں میں چلا جائے، ؟

یہ اشیاء طریقِ رہبانیت کے عناصر و اجزاء ضرور ہیں، لیکن یہ نفس (میں) کی رہبانیت نہیں،

رہبانیت آنکھیں بند کر کے دراصل اس تصورِ حیات کا نام ہے، جس کی رو سے انسان کا مادی کشمکش اور دنیاوی تضادات سے آنکھیں بند کر کے راہِ فرار اختیار کرنا ہے۔

اور اس فرار و گریز کو زندگی کا بلند نصب العین قرار دے کر، اپنے آپ کو فریب دے لینا ہے کہ میں نے اپنی زندگی کا مقصود، پالیا ہے۔

تصوف میں اس قسم کا تصورِ زندگی، لاینفک ہے۔اس تصور کی رو سے انکے نزدیک یہ سند بن جاتی ہے کہ۔۔۔۔۔جب ہم نے تہیہ کر لیا کہ۔۔۔مادہ اپنا وجود ہی نہیں رکھتا تو، "روح اور مادہ" کا تضاد خود بخود ہی ختم ہو گیا۔۔۔یہ ان تصوف پرستوں کی بہت بڑی خود فریبی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مادہ ہماری ذات سے باہر وجود رکھتا ہے، اور محض اتنا کہہ دینے سے کہ مادہ۔۔۔۔مایا، یا سراب ہے،، وہ فی الحقیقت، مایا یا سراب، نہیں بن جاتا، اسلیئے رہبانی تصورات یا باطنیت، (تصوف)۔۔۔۔۔ان تضادات کا آج تک حل نہیں پیش کر سکی۔

جس طرح باطل تصوریت مادہ کے انکار سے سمجھ لیتی ہیں کہ انہوں نے تضادات کا حل معلوم کر لیا ہے، بلکہ حل دریافت کرنے کی کاوش سے گریز کی راہ اختیار کی ہوتی ہے، حالانکہ انہوں نے حل معلوم نہیں کیا ہوتا، اسی طرح یہ باطنیت (تصوف) بھی تضادات اور خواہشات کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے بلکہ یہ اپنے ان تصورات کی دنیا میں، مگن ہو کر، بلندیوں پر اڑنے اور براہِ راست، ذاتِ خداوندی لامحدود سے، جا ملنے کے خواب دیکھتا رہتا ہے، اور نہیں سمجھتا کہ حقیقی اخلاق، جذبات و خواہشت کو فنا کر دینے کا نام نہیں ۔

ایک تصوف ہرست کا یہ خیال کہ وہ وہ ترکِ خواہشات کر سکتا ہے،۔۔۔۔ کس قدر غلط ہے۔۔۔کیونکہ ترکِ خواہشات، بجائے خویش، ایک خواہش ہے۔۔۔اسلیئے آپ اپنی خواہشات کا استیصال، کر ہی نہیں سکتے۔

اصل میں یہ تصوف پسند حضرات چاہتے ہیں کہ ہم اس پُراز مصائب اور بد نما دنیا سے بھاگ جائیں اور خلوت کی تجرد گاہوں میں جا کر پناہ لے لیں، جہاں۔۔۔۔ صرف فطرت ہی فطرت ہو۔۔۔۔

۔۔۔ جتھے بندہ نا بندے دی ذات ہووے،

ان پہاڑون کی چوٹیوں ہر جا بسیرا کریں جنہیں انسان کے ناپاک قدم نے نہ چھوا ہو، وہاں جا کر اپنی روح کو فطرت کے پُر ۔۔۔ کیف نظاروں سے سر شار کریں۔۔۔اس سرور آفریں کیفیات میں کوئی بھی دخل اندازی نہ کر پائے، اور وہاں جہانِ کیف و مستی میں، انسانی دنیا کی کسی ذلت و پستی کا کوئی گذر نہ ہو، لیکن یہ بیچارے نہیں جانتے یا جاننا ہی نہیں چاہتے کہ،

انکی یہ تمام حسین آرزوئیں، یہ بلند تخیلات، یہ علوِ جذبات، انسان کے قلب کی یہ کیف باریاں، انسانی فطرت کی لغزشوں انسانیت ہی کی تخلیق ہیں، جسے یہ تصوف پرست کا یہ احساسِ لطیف، اور فطرت کے متعلق یہ حسنِ خیال، یہ سب، اسی دنیائے ۔ حضرات، اس قدر قابلِ نفرت سمجھ کر تیاگ دینے کی فکر کر رہے ہیں

یہ ہے وہ باطینت، جسے تصوف پرستوں نے دورِ حاضرہ کے تضادات اور پُر مصائب زندگی کو تصوف میں پناہ گزیں ہو جانا قرار دیا ہے۔

جیسا کہ پہلے ہم نے بتایا کہ انکے اس طریقہء عمل کی رو سے، یہ سمجھا جاتا ہے کہ، مادہ سے ذہنی انکار، مادی کشمکش کو ختم کر دیتا ہے اور اسکے بعد انسانی ذات (میں) کا استحکام، ہو جاتا ہے، جسے یہ

"تزکیہء نفس"

۔۔۔ کا نام قرار دیتے ہیں

قران کے نزدیک، اصل تزکیہ کیا ہے؟ اسکے بارے میں ہم، بعد میں بات کریں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ

جس شے کو یہ باطنیت کی بقاء سمجھتے ہیں، وہ بقاء، در حقیقت انسان کی اپنی فنا ہوتی ہے،

یعنی،Mysticism always end in an,impersonal immortality ..

اس میں تضادات تو حل ہو جاتے ہیں، لیکن یہ حل اسی طرح کا ہوتا ہے جس طرح،

۔ مرنے کے بعد، مریض کے تمام دکھ درد، دور ہو جاتے ہیں

اسی لیئے

اخلاق اس شے کا نام نہیں کہ آپ مادے کے کثیف تاثرات سے بھاگ جائیں؟ بلکہ مادی ترقی کے یہ معانی ہیں کہ، آپ، "مادہ'' کا مقابلہ کریں۔۔۔۔۔۔ تخلیقی تحرک کو بڑھانے میں آج تک جو کام، مادہ نے کیا ہے اس سے انسانیت کے دائرے میں رہتے متمتع ہوں، لیکن ہوئے،

اسکے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی نظرانداز نہ کریں کہ "انسانی ذات (میں)'' مادی سطح سے بہت اونچی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر مذہب انسان کی توجہ، مادیت سے ہٹا کر، اس کے روحانی الاصل ہونے پر ہی مرکوز کر دے تو یہ اخلاق نہیں بلکہ، مذہبی بداخلاقی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یاد رکھئے، نوعِ انسانی، اسی صورت میں ترقی کر سکتی ہے جب۔۔۔۔۔۔۔۔ مادی اور (روحانی۔۔۔۔ دونوں، پہلو بہ پہلو، اپنے اندر تضادات رکھنے کے باوجود، ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، آگے بڑھتے چلے جائیں۔ (جاری ہے

(تصوف، مذہب اور دین اسلام (چوتھی قسط

ندرت کار

پچھلی پوسٹ میں ہم نے بات کی، نوعِ انسانی، اسی صورت میں ترقی کر سکتی ہے جب۔۔۔۔۔۔۔۔ مادی اور روحانی۔۔۔۔ دونوں، پہلو بہ پہلو، اپنے اندر تضادات رکھنے کے باوجود، ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، آگے بڑھتے چلے جائیں۔ اب آگے بڑھتے ہیں ۔

یہی نہیں کہ باطنیت (انفرادی تزکیہء نفس کا تصورِ زندگی) کے تضادات کے حل کرنے ہی سے قاصر رہتا ہے، بلکہ انسانی معاشرہ کے نظامِ عدل و صداقت کو بھی تباہ کر دیتا ہے۔۔۔۔ اسلیئے کہ

اس فلسفہ کی رو سے "ہر نیک آدمی'' تصوف کی تجرد گاہوں میں، اپنے اپنے نفس کی تہذیب، و تزکیہ کی فکر میں سر بگریباں بیٹھا جاتا ہے، اور دنیا کا، کاروبار، دنیاداروں کے سپرد کر دیتا ہے کہ

(تُسی بیجو، اسیں کھاوانگے'' (تم اگاؤ، ہم صرف کھائیں گے"

انکی، انہیں ہوس رانیوں اور کامجوئیوں سے روکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔۔۔اس بناپر،

اخلاقیات کے متعلق، یونان کے ابتدائی تصور کا رواقی اور ایبقوریت کے فلسفہ میں تبدیل ہو جانا، ایسی خرابی کا مؤجب ہوا کہ ،اس کی نظیر، اخلاقی دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔

اخلاق، جس سے مفہوم یہ ہے کہ ،انسان کے باہمی معاملات، حق و صداقت پر مبنی ہونے چاہیئں،،،، اپنا مفہوم کھو دیتا ہے۔

اگراسکا نتیجہ نوعِ انسانی کی بہبود نہیں تو اس سے اخلاقیات کا مقصود ہی فنا ہو جاتا ہے۔

اخلاقیات کا مقصود، ایک فرد کی زاتی فلاح و بہبود نہیں

(اگرچہ نوعِ انسانی کی بہبود مین یہ ذاتی پہلو بدرجہ ءاتم، موجود ہے)

بلکہ مقصود یہ ہے کہ

اس فرد کا نوعِ انسانی کے ساتھ، جس کا یہ جزو ہے، کس قسم کا رابطہ ہے؟؟

اس (باہمی معاملات کے) ضابطہ ءاخلاق کی بنیاد، عــــدل ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عدل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے انسان پر

مستبدانہ اور قاہرانہ قوت سے، غالب نہ آسکے۔۔۔۔۔۔اگر دنا میں

کے کوئی معانی ہیں تو وہ یہی ہیں کہ ،ایک انسان، کسی دوسرے انسان کو محض فرضی اقتدار کی بنا WRONG باطل پر، اپنا تابع فرمان بنالے۔۔۔۔۔۔اس باطل کا اسیصال ہی۔۔۔اخلاقیات کا اصل فرئضہ ہے۔

آپ مثالی اخلاق کی کیسی بھی شاندار عمارت، کیوں نہ تعمیر کرلیں، اگر وہ باطل کا استیصال کر کے اس کی جگہ حق کو قائم نہیں کرتی، تو وہ یکسر، بے معنی ہے۔

یہ اوپر کی عمارت، اخلاقیات کی عمارت کہلا ہی نہیں سکتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔رواقی فلسفہ کی رو سے، نصب ُالعینِ حیات، شر کا مقابلہ نہیں بلکہ اس کے سامنے جُھک جانا، رہ جاتا ہے۔

میسیحیت نے ہمیشہ کمزور، پست، اور بوسیدہ چیزوں کا ساتھ دیا ہے، اس نے، طبائع انسانی کی تمام خوددارانہ قوتوں کا استیصال، اپنا مسلک قرار دیا ہے۔

بڑے زبردست دماغوں کا ستیناس کر کے رکھ دیا ہے۔ بڑے

یہی وجہ ہے کہ مغرب نے اسے طاقِ نسیاں بنا کر ایک کونے میں براجمان کر رکھا ہے۔

میں رقمطراز ہے کہ CIVILISATION اپنی کتاب DORSEY تہذیب کا مشہور امریکی مؤرخ،

آج لاکھوں انسانوں کے نزدیک عیسایئت، شکست خوردوں کا مذہب ہے، وہ اس مذہب کی قبولیت سے، اعترافِ شکیست کرتے ہیں کہ یہاں کوئی شے قابلِ اطمینان نہیں۔

اطمینانِ کی آرزو باطل،۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور آرزوؤں کی تکمیل گناہ ہے۔

(یہ اندازِ نگاہ۔۔۔۔ صحیح اور تندرست زندگی کو، ناممکن بنا دیتا ہے، اس سے انسانیت تباہ ہو جاتی ہے۔(جاری ہے